اسلامی تناظر میں مالیاتی پالیسی - ایک جائزہ

——— جناب سید حامد عبدالرحمٰن الکاف

سہ ماہی ’تحقیقات اسلامی‘ علی گڑھ کی جولائی - ستمبر ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں جناب ڈاکٹر اوصاف احمد صاحب کے قلم سے ایک تحریر ’اسلامی تناظر میں مالیاتی پالیسی‘ کے زیر عنوان پڑھنے کا موقع ملا۔ اس تفصیل کے ساتھ شاید اس موضوع پر یہ پہلی تحریر ہے۔ اس لیے اس میں کمی بیشی کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔

سب سے پہلے ’مالیاتی پالیسی‘ پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ اس کا انگریزی میں صحیح ترجمہ ہوگا، لیکن سوال ’مالیاتی‘ کے ترجمہ کا ہے جس کو MONETARY POLICY انگریزی میں FINANCIAL کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے اردو میں نقدی سیاست/ سیاستِ نقدیہ/ پالیسی نقود/ نقد کی حکمت عملی وغیرہ کوئی ایسی اصطلاح استعمال ہونی چاہیے جس میں نقد اور اس کے مشتقات میں سے کسی مشتق کا موجود ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اس اصطلاح کے انگریزی اور عربی ترجموں سے واضح ہوتا ہے۔

یہ امر اس لیے ضروری ہے کہ سیاستِ نقدیہ اس سیاست مالیہ کا محض ایک جز ہے جس میں ٹیکس اور دیگر ذرائع آمدنی کے ساتھ مختلف میدان ہائے حیات میں اس آمدنی کو خرچ بھی کرنے کا ذکر ہوتا ہے۔

دوسری بات جو عرض کرنی ہے وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی بینکنگ سسٹم کے مکمل خاکے کے بجائے صرف مرکزی بینک کے فرائض اور رول کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ انھوں نے اس اسلامی بینکنگ سسٹم کو ایسے ماڈل کی بنیاد قرار دیا ہے جو مضاربت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کے اپنے مضاربت کے

کیا اصول اور قواعد ہیں؟ اس کی تفصیلات جانے بغیر ان بہت سے مسائل کے بارے میں، جن کا تعلق امانتوں (DEPOSITS) اور تخلیقِ زر اور ان فیصدی نسبتوں سے ہے جن کی بنیاد پر مرکزی بینک کو امانتوں کے متعین حصوں کا اپنے ہاں محفوظ رکھنا ضروری ہے وغیرہ، کوئی رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے، لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مجھے خود تصورِ مضاربت، اس کے عصر حاضر کے بینکنگ سسٹم میں نفاذ یا عدم نفاذ، مناسبت اور عدم مناسبت کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

سیدھے سادے الفاظ میں اصل مضاربت کا تصور، جس کا ذکر حدیث (مؤطا امام مالکؒ) یا فقہ (کتاب الام للشافعیؒ) میں ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ مضاربت دو افراد کے درمیان ایک ایسا کاروباری معاملہ/ لین دین/ معاہدہ ہے جس میں ایک کے پاس مال ہوتا ہے، جس کو وہ نفع بخش کاروبار میں لگا کر اس کی نشو ونما چاہتا ہے، جب کہ دوسرے شخص کے پاس کسی خاص کاروباری میدان میں تجربہ ہوتا ہے۔ مال دار شخص اپنی شخصی معرفت اور تجربات کی بنیاد پر کسی خاص میدانِ کاروبار میں تجربہ کار شخص سے یہ اتفاق/ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس خاص میدانِ عمل میں اپنی جدوجہد اور محنت سے منافع کمانے کی کوشش کرے۔ اگر فائدہ ہوا تو وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے، مثلاً ۶۰% (مالدار) ۴۰% (تجربہ کار/ عامل) کی بنیاد پر نفع تقسیم ہوگا۔ لیکن اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو عامل (کام کرنے والے) کی محنت رائیگاں قرار پائے گی اور پورے کا پورا نقصان سرمایہ دار/ مال دار کو برداشت کرنا پڑے گا۔

اس تصور کے اہم اجزا یہ ہیں:

......شخصی معرفت

......شخصی طور پر نفع ونقصان کی نسبتوں کا تعین

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاہدہ کا تعلق خالص انفرادی اور شخصی بھروسہ پر ہوتا ہے جو مال دار کی طرف سے طے پاتا ہے۔

اگر اس تصور کے تحت عصر حاضر کے بینکنگ سسٹم پر نظر ڈالی جائے تو یہاں

دونوں کے بیچ میں بینک آجاتا ہے جس کا رول کچھ اس طرح کا ہوتا ہے:

امانت داروں سے اکاونٹ کھلواتے وقت بینک ایک مطبوعہ فارم پر اپنی پہلے سے طے شدہ شرائط پر، امانتیں قبول کرکے ان امانتوں کو دیگر کھاتے داروں کی رقومات کے ساتھ ملا کر مختلف تاجروں/ سرمایہ کاروں (ENTERPRENURE) کو بھی اپنی شرائط پر مضاربت کی بنیاد پر امانت داروں کے وکیل کی حیثیت سے سرمایہ کاری کے لیے دیتا ہے۔

یہاں صورت حال قدیم مضاربت سے بالکل مختلف ہے۔ نہ تو امانت دار ہی سرمایہ کار/ تاجر کو جانتا ہے اور نہ ہی سرمایہ کار تاجر/ امانت دار کو۔ بینک ہی وہ واحد ادارہ ہے ...... نہ کہ فرد ...... جو تاجر/ سرمایہ کار سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور اس کی بازار میں ساکھ (Reputation) اور سابقہ تجارتی / سرمایہ کارانہ سرگرمیوں اور ان کے اچھے یا برے نتائج سے براہ راست یا بالواسطہ دوسرے بینکوں/ تاجروں یا خود اس کے اپنے ادارۂ معلومات وخطرات (Information & Risk Dept.) کے ذریعہ اس کے متعلق ضروری معلومات جمع کرتا' ان کی نوعیت کا تعین کرتا اور ان کی روشنی میں تاجر/ سرمایہ کار کی قدر وقیمت (EVALUATION) کا تعین کرتا ہے اور بالآخر یہ فیصلہ اپنی دیگر معلومات (مثلاً مارکیٹ میں اس خاص مال یا چیز یا منصوبے کی طلب وضرورت) کی روشنی میں کرتا ہے کہ آیا اُسے یہ مضاربت کی رقم دی جانی چاہیے یا نہیں؟ یہاں ایک اہم مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے: کیا بینک کو ان زرکاری کے فیصلوں کے نتائج بھگتنا چاہیے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر بینک کو بھی بحالت خسارہ امانت دار اور تاجر/ زرکار کے ساتھ شریک ہونا چاہیے، کیونکہ وہ نفع کی صورت میں نفع کا ایک حصہ خود لے کر باقی حصہ امانت دار کے حوالہ کرتا ہے، جیسا کہ سودی بینک کا حال ہے کہ وہ اسی شرح سود سے زیادہ شرح سود پر تاجر/ زرکار کو قرض دیتا ہے جو وہ امانت دار کو دینے کا عہد کرتا ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اگر بینک صرف نفع میں شریک ہوتا ہے اور نقصان میں شریک نہیں ہوتا، تو اس کا نفع سے حاصل کیا ہوا مال 'سود' شمار ہوگا، کیونکہ

شریعت میں حلال مال وہی ہے جس میں مغرم (LOSS) کے ساتھ مغنم (PROFIT) بھی ہو۔ اس کے برعکس جو شخص یا ادارہ صرف نفع میں شریک اور نقصان سے دامن کشی کرے وہ دراصل سود کھاتا ہے۔

اس تفصیل سے جدید بینک کاری کی حقیقت واضح ہورہی ہے جس پر قدیم مضاربت کے تصور کو چسپاں کیا جاتا ہے، بغیر اس کے کہ دونوں میں جو فرق (DIFFERENCES) پائے جاتے ہیں ان کا تعین کیا جائے اور ان کی روشنی میں نئے نظام بینک کاری میں ان کے بقا وعدم بقا کا فیصلہ کیا جائے۔

جدید بینکنگ سسٹم میں بینک بڑی چالاکی سے اپنے اور امانت داروں کے خطرات (Bank's and Depositors' Risks) کا بوجھ (Burden) تاجر/زرکار کے کاندھوں پر ڈال دیتے ہیں جو ان کو آخری چارۂ کار کے طور پر صارفین (Ultimate Consumer) سے وصول کرکے قیمتوں میں مصنوعی اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ یہی اس سسٹم کا سب سے بڑا اور خطرناک پہلو ہے۔ یہ پہلو رہن عقاری کے حالیہ بحران میں (Current Mortgage Crisis) میں کھل کر سامنے آیا جب مکان کے خریدار ڈالر کی قیمت میں غیر معمولی کمی اور اس کی بڑھتی ہوئی گرانی کے مقابلے گرتی ہوئی قیمت خرید کی وجہ سے اپنے قرضوں کی قسطوں (Premium) کو ادا کرنے سے قاصر ہوگئے ہیں۔اب چونکہ مکانوں کے خریداروں کا کُل اثاثہ/سرمایہ (Asset / Capital) خود خریدا ہوا مکان ہے، اس لیے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو اسی کے مکان سے بے دخل کرکے سڑک پر پھینک دیا جائے۔ مگر یہ حل مکان کو فوراً نقد (Immediate Cash) میں نہیں بدل سکتا۔ بحران کے دنوں میں مکانوں کا بکنا ایک مسئلہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے بینک اور مالی ادارے نقود کی کمی کی وجہ سے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنے پر مجبور ہورہے ہیں اور مستقبل میں ان دیوالیہ ہونے والے بینکوں اور اداروں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ یہ بڑا خطرناک مالی اور اقتصادی بحران ہے۔ اس میں Sub-Prime مارکیٹ میں کاغذی مستندات ...... محض بے معنی کاغذی مستندات ...... کی خرید وفروخت کو بھی بڑا دخل ہے۔

اس کی تفصیلات کا مطالعہ نیو یارک ٹائمز میں اور رائٹرس نیوز ایجنسی کے شائع شدہ ان دو مقالوں سے کیا جاسکتا ہے جو دکن کرانیکل کی ۵/ اگست ۲۰۰۸ء اور ۱۶-۱۷ اگست ۲۰۰۸ء کی اشاعتوں میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ مالی اور اقتصادی طوفان جسے رہن عقاری کے بحران نے پیدا کیا ہے۔ اس کو اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے:

جدید بینکنگ نظام میں خطرات کی تقسیم

آخری صارف	تاجر/ زرکار	بینک	امانت دار
Ultimate Consumer	Inverstor/ Trader	Bank	Depositor
قیمت + واجب الاداء سود	All Risks تمام خطرات	کوئی خطرہ نہیں	کوئی خطرہ نہیں
Price+Payable Interest		No Risk	No Risk

یہ موجودہ اقتصادیات میں گرانی کے بڑھنے میں ایک اہم عنصر کا رول ادا کرتا ہے، کیونکہ اپنی روزمرہ کی ہر ضرورت پر ہم سود ادا کرتے ہیں اور گرانی (Inflation) میں اضافہ کو خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں!!!

اس حقیقت کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

اس لیے صحیح اسلامی بینکنگ وہی ہے جس میں سود کے عنصر کو پوری طرح نکال باہر کیا جائے اور نفع ونقصان میں شرکت کے اصول کو سارے ہی مراحل میں پیش نظر رکھا جائے۔ اس غرض کے لیے میں نے ایک نظریہ پیش کیا ہے جس کو میں 'خطرات کی منصفانہ تقسیم کا نظریہ' (Equitable Distribution of Risks Concept) کا نام دیتا ہوں:

اس میں امانت دار، بینک اور تاجر/ زرکار سب ایک متفقہ تناسب سے نفع ونقصان میں شراکت کو قبول کرتے ہیں۔

تاجر/ زرکار Investor/ Trader	بینک Bank	امانت دار Depositor
۵۰ % دونوں حالتوں میں	۲۵% نفع نقصان دونوں حالتوں میں	۲۵ % دونوں حالتوں میں

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان تینوں کے سرمایوں کی مقدار بھی نفع ونقصان کی طرح آپس میں رضامندی سے طے کر سکتے ہیں مثلاً:

تاجر/ زرکار Investor/Trader	بینک Bank	امانت دار Depositor
۳۰% کسی پروجیکٹ کا سرمایہ	۳۵% کسی پروجیکٹ کا سرمایہ	۳۵% کسی پروجیکٹ کا سرمایہ

اس طرح نفع ونقصان اور سرمایوں کی فیصدی نسبتوں میں کمی بیشی آپسی بات چیت سے طے ہوسکتی ہے۔ یہ ایک قابل تبدیل (Variable) عنصر (Factor) ہے۔ اس طرح ہم سود کے عنصر کو بینکنگ سسٹم سے کلیۃً نکال سکتے ہیں۔ مگر اس میں بینک کو اپنا سرمایہ کاروبار کی ترقی اور پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اور نقصان کی خانہ پری (Compensation) کے لحاظ سے بڑھاتے رہنا پڑے گا۔ بالفاظ دیگر اب تک بینک کا سرمایہ جامد (Static) ہوا کرتا تھا، جب اس کا تعین بینک کی تأسیس کے وقت کر دیا جاتا تھا کہ اس بینک کا سرمایہ دس ملین ڈالر ہے، مگر اس نئے تصور کے تحت بینک کو اپنا سرمایہ وقتاً فوقتاً بڑھانا پڑے گا، کیونکہ راس المال متحرک (Dynamic) ہوگیا ہے!!! وہ راس المال میں بھی شریک ہے اور نفع ونقصان میں بھی شریک ہے!!! یہی صحیح اور اسلامی شراکت ہے!!!

اس تصور کو میں نے اپنے پمفلٹ: Organisation of the Credit Operations Under the Islamic Banking System میں پیش کیا تھا جس کو اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا اور اس پر سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' علی گڑھ کے اپریل-جون ۱۹۸۸ء کے شمارے میں تبصرہ بھی شائع ہوا۔

۱۹۹۳/۱۹۹۴ء کے لگ بھگ ے بڑے ملکوں کے مرکزی بینکوں کے گورنروں نے اپنے بازل کے اجتماع میں کفایت راس المال (Capital Sufficiency) کے تحت چند ضوابط منظور کیے، تاکہ بینک ناقابل تحصیل (Uncollectible) قرضوں کی تلافی کے لیے ایک خاص مدت گزرنے پر نیا راس المال انجکٹ کرتے رہیں، تاکہ ناقابل تحصیل قرضوں کی تلافی کے ساتھ کفایت راس المال کی کم از کم سطح ومقدار برقرار رہ سکے اور بینکس اور بحیثیت مجموعی نظام بینک کاری کسی بڑے بحران کا شکار نہ ہوسکے۔ چونکہ سودی بنیادوں پر قائم بینکوں کو تخلیقِ زر کی چاٹ لگ چکی ہے اور وہ دوسروں کے مال سے بھرپور

فائدہ اٹھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اس لیے وہ اس ملائی (Cream) کو ہر قسم کے حیلے بہانے سے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ رہن عقاری میں انھوں نے اپنے لیے یہ راہ نکال کر اپنے تخلیق کردہ زر کو لگا دیا۔ یہ میرا قیاس ہے، ہوسکتا ہے کہ غلط ہو۔ اس میں کمرشیل بینکوں کے رول پر ریسرچ ہونے کی ضرورت ہے۔

چونکہ اسلامی نظام بینک کاری پر قلم اٹھانے والے حضرات خطرات Risks کے علم میں زیادہ گہرائی نہیں رکھتے تھے اور آج بھی نہیں رکھتے ہیں، اس لیے انہوں نے میرے مجوزہ نظامِ بینک کاری پر توجہ نہیں دی۔ اگر وہ 'اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا' (البقرة: ۲۷۵) (تجارت تو محض سود کی طرح ہے) کی روح کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے اسباب اور نتائج کو اپنی فکری گرفت میں لے آتے اور مضاربت میں خسارے کی حالت میں راس المال میں کمی کے مقابلے میں عامل کی مزدوری کے غیر مستحق قرار دیے جانے کے اسباب، جن میں سب سے پہلا سبب یہ اصول ہے کہ نقصان کے ساتھ نفع ہے، کو پیش نظر رکھتے، تو انہیں صاف نظر آتا کہ خطرے کو برداشت کیے بغیر نفع میں شرکت ایک نہایت نامعقول اور مضحکہ خیز بات ہے!!!

میں اسلامی اقتصادیات پر لکھنے اور سوچنے والے حضرات سے عام طور پر اور اسلامی نظامِ بینک کاری پر لکھنے والے حضرات سے خاص طور پر توقع کرتا ہوں کہ وہ مالی، اقتصادی اور تجارتی امور میں خطرات (Risks) کی اہمیت اور ان کو کم از کم کرنے کے طریقوں اور اقدامات پر مسلسل غور و فکر کرتے رہیں۔ اس میں وہ کسی فرد، ادارے اور حکومت کے مالی موقف کے بارے میں مطلوبہ معلومات کو جمع کرنے اور ان کے متوازن تجربے کے بعد صحیح نتائج تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

جب تک خطرات کا عنصر اسلامی بینکنگ سسٹم میں خاص طور پر اور اقتصادی نظام میں عام طور پر اپنی اہمیت نہ منوالے اور اسلامی معیشت اور مالی نظام کے ماہرین اس پر بھرپور علمی توجہ نہ دیں تب تک سود سے خالی نظامِ معیشت کا تصور ایک خوابِ پریشان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

یہاں ایک ضروری بات یہ عرض کرنی ہے کہ سودی نظام پر مبنی ذرائع/آلات (Instruments) کو ان کی سودی بنیادوں کی وجہ سے نظر انداز کرنا یا ان کو ان کی خطرناکیوں کے برابر اہمیت دے کر ان سے شکلاً (Form) اور مضموناً (Content) دامن کشی اختیار کرنا، بلکہ احتراز برتنا از حد ضروری ہے، ورنہ بات اس چرواہے کی طرح ہو سکتی ہے جو بادشاہ کے لئے خاص کردہ زمین کے کنارے اپنی بکریاں چراتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ وہ حدودِ ملکِ السمٰوات والارض میں خود اپنی بکریوں کے ساتھ داخل ہو کر قہرِ الٰہی کا شکار نہ ہو جائے۔

میں اس وارننگ کے کچھ لمبے ہو جانے پر معذرت خواہ نہیں ہوں، کیونکہ اس کے عدم ادراک نے اب ماہرین معاشیات و مالیات کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جو نام نہاد اسلامی بینکی ادارے آج کام کر رہے ہیں وہ بے دھڑک رائج الوقت سود پر مبنی ذرائع/آلات (Instruments) کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے اس نظام بینک کاری کا اسلامی ہونا محلِ نظر ہو چکا ہے!! یہ تو ایک طرف اجتہاد، اجتہادی کوششوں اور اجتہادی قوت رکھنے والے اہل علم و عمل (تجربہ کار) کے فقدان کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف غیر اسلامی اسالیبِ فکر و عمل کو سینے سے لگا کر طفل تسلی کے طور پر اسے اسلامی قرار دینا ہے۔

اوپر جس بینکنگ سسٹم کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بنیاد 'خطرات' کی عادلانہ/منصفانہ تقسیم پر ہے۔

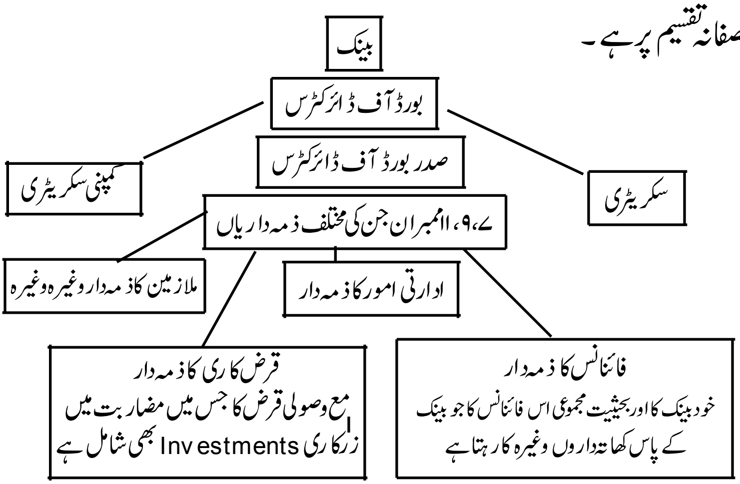

مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ حضرات بینک میں سرمایہ بھی لگائیں گے اورذاتی طور پر ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ گویا Sleeping Partner کا تصور ختم کرنا ہوگا، یعنی کمائی کے لئے محنت ضروری ہے۔

بینک کے ادارے

اس بینک میں موجودہ بینکوں کی طرح ادارے ہوں گے مثلاً 'A/cs 'Forex 'BG 'Lc وغیرہ ڈپارٹمنٹس ، لیکن اس کے رسک اینڈ انفارمیشن (Risk & Information Dept.) کو ایسے لوگوں سے پر کرنا ہوگا جو بہت زیادہ بیدار مغز ہوں اور ملک اور بیرون ملک کی سیاسی ، مالی، اقتصادی اور اجتماعی اموراوران کے اندورن ملک قریبی اثرات بلکہ بعیدی اثرات کو گرفت میں لے کر ان کا گہرا تجزیہ کر کے اس کو اپنے بینک اوراس کے دونوں طرف دار......امانت دار اور تاجر......اوران کے کاروبار پر اچھے یا برے یا ملے جلے اثرات تک ان کی گہری نظر پہنچتی ہو۔ علاوہ ازیں وہ حسابات کے اعداد وشمار کے پیچھے یا ان کے نیچے (Underline) چھپی ہوئی باتوں تک اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں پہنچنے کے صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں اور فوراً فیصلے کر کے انہیں نافذ بھی کر سکتے ہوں۔ یہاں سیدھے سادے ناواقف کار لوگوں کا گزر تک نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کامیابی کی پہلی شرط ہے۔ کیونکہ اس میں خود بینک کا اپنا سرمایہ بھی ڈوب سکتا ہے اور بالآخر یہ بات خود بینک کو بھی لے ڈوب سکتی ہے۔

ماڈل

بینک کے اکاونٹس تاجروں/ زرداروں اور خود پروجیکٹس کی مدت کے مطابق ایک ماہ/تین ماہ/ چھ ماہ/ سال/ دوسال/تین سال/ چارسال/ پانچ سال کی مدت کے ہوں گے اورامانت داروں کواسی مدت کے حساب سے اپنی رقمیں ڈپازٹ کرانی ہوں گی۔ بینک اس بات کا پابند ہوگا کہ اس مدت کی پابندی کرے اوراگر کبھی اس میں زیادتی کرنی پڑے تو امانت داروں کی منظوری لینی پڑے گی، مثلاً ایک ریفائنری کے لئے ۵ سال کے

سرمایے کے ۲،۳،۴ سالوں کے امانت داروں کی امانتوں کو ملا کر سرمایہ مہیا کیا جاسکتا ہے تو امانت داروں کی منظوری ضروری ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

☆ چھ ماہ میں شروع ہو کر ختم ہونے والا ایک کاروبار ہے۔ اس میں ایک ملین ڈالر کا سرمایہ چاہیے۔ اس کی تقسیم اس طرح ہوگی۔ ۳۰ % (امانت دار)، ۳۰ % بینک، ۴۰ % تاجر اور خطرات کی تقسیم کچھ اس طرح ہوگی:

۵۰ % تاجر، ۲۵ % بینک اور ۲۵ % امانت دار۔ چھ ماہ بعد تاجر نے بینک اور امانت داروں کے ۶۰ % سرمائے کے ساتھ ایک لاکھ ڈالر منافع کمایا۔ یہ منافع ۵۰ % تاجر کو ۲۵ % بینک کو اور ۲۵ % امانت داروں کو دیا جائے گا۔

☆ ایک ولڈنگ ورکشاپ قائم کرنے والا بینک سے قرض طلب کرتا ہے۔ بینک اس کے تجربہ، چال چلن وغیرہ کو دیکھ کر اسے قرض دینا طے کرتا ہے، مگر اس شرط پر کہ وہ ۲۵ % سرمایہ مہیا کرے۔

اس مقالے کو پڑھنے کے بعد برادر عزیز سید سعادت اللہ حسینی، رکن مرکزی مجلس شوریٰ، جماعت اسلامی ہند، نے سوال کیا، جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں کہ اگر کوئی صنعت کار/ صاحبِ حرفت اپنا ۲۵ %، ۳۰ % یا اس سے کم یا زیادہ حصہ مہیا کرنے سے عاجز رہے تو کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ اس کو بینک/ امانت دار یا ان دونوں میں سے کوئی ایک قرض، ۵۰ % سے کم یا زیادہ فیصد نفع نقصان کی بنیاد پر اور مناسب ضمانت لینے کے بعد، دے سکتا ہے۔ یہ ایک الگ معاہدہ ہوگا جس کا ان تینوں ...... بینک، امانت دار، صاحب حرفت...... سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کاروبار میں نفع ہوا تو بینک/ امانت دار یا دونوں کو نفع کا ۵۰ % ملے گا (۳۰ %، ۲۰ %) باقی صاحبِ حرفت کا حق ہوگا۔ نقصان کی حالت میں اس نسبت سے ان کو صاحب حرفت کے ساتھ نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ باقی ۷۵ % میں بینک اور امانت دار ۳۵ %، ۳۵ % سرمایہ لگاتے ہیں۔ کاروبار میں منافع ۵۰ % ولڈر، ۵۰ % (بینک + امانت دار) طے ہوتا ہے۔ یہ ایک سال کا پروجکٹ تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد منافع کا حساب کتاب شروع ہوگا۔

کیونکہ ورکشاپ کھلنے کے دو چار ماہ تک آمدنی بہت تھوڑی ہوگی، جو ولڈرہی کے لئے کافی ہوسکتی ہے، اس کے بعد ہی بینک اور امانت داروں کے منافعوں کا مطالبہ معقول ہوسکتا ہے۔

یہاں اور دوسرے منصوبوں میں بینک کو کاروبار کی رفتار اور ان کے چلانے کے ڈھنگ پر نظر رکھنی ہوگی ۔اس کے لئے بینک اپنے کسی ملازم کو ذمہ دار بنا کر اس کو نگراں مقرر کرسکتا ہے اور اس کا معاوضہ اخراجات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاوضہ ہر پروجکٹ کی متوقع آمدنی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے جو اس کاروبار (Feasibility Study) میں مذکور ہوتا ہے ۔ بینک کے اس ملازم کا نہ صرف دیانت دار بلکہ اس خاص پیشہ میں تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے والا ہونا بھی ضروری ہے، ورنہ کوئی اور مناسب شخص تلاش کرنا چاہیے۔

ان مثالوں پر بڑے بڑے پروجکٹس کو قیاس کیا جاسکتا ہے اور ضرورت پڑنے پر سنڈیکٹ/کونسا ریٹم بھی سرمایہ کاری کی غرض سے بنائے جاسکتے ہیں ۔

بینک ان سارے معاملات میں خدمات کی فیس وصول کرتا رہے گا، جس کے ذریعہ وہ بلڈنگ کا کرایہ، اسٹاف کی تنخواہیں، فرنیچر وغیرہ کے اخراجات پورا کرے گا۔ یہ سود نہیں تصور کیا جاسکتا ہے اور حسب ضرورت اس میں کمی بیشی کا پورا امکان پایا جاتا ہے۔ یہ محنت کے مقابلے میں ہے، سود ہرگز نہیں ہے ۔

اب میں ان ذرائع/آلات میں سے ایک ایک پر بحث کروں گا جن کا ذکر ڈاکٹر اوصاف صاحب نے کیا ہے ۔

☆ **قانونی حفاظتی تناسب**: اس میں ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ مطلوبہ حفاظتی تناسب میں شرح سود کی آمیزش کسی طرح بھی نہیں ہوتی (تحقیقات اسلامی ص: ۴۰) ڈاکٹر صاحب کے علم میں نہیں ہے کہ اس رقم پر مرکزی بینک سود ادا کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب پھر ایک بار اس پر غور کرلیں کہ یہ سودی نظامِ بینک کاری ہے اور مرکزی بینک اس کی بنیاد ہے اور اس کی محافظ (Protector) بھی ۔اگر وہ سود نہ دے اور نہ لے تو

یہ ہیکل خود بہ خود دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گا۔

البتہ یہ بات درست ہے کہ ملکی معیشتی ضروریات کے پیش نظر مرکزی بینک کسی خاص دائرۂ اقتصاد مثلاً صنعت، تجارت اور زراعت دغیرہ میں زرکاری کا بہاؤ بڑھانا چاہتا ہوتو اس نسبت کو مثلاً ۱۰% سے گھٹا کر ۵% یا ۲% یا صفر% تک کرسکتی ہے۔ بعض خاص حالتوں میں صفر فی صد سے آگے بڑھ کر اس کو مالی امداد میں بھی بدلا جاسکتا ہے، جسے سبسیڈی کہا جاتا ہے۔

☆ کھلے بازار کے اعمال (Open Market Operations):

اب چونکہ ہمارا مجوزہ بینکی نظام سرمایہ پر مبنی (Equity Based) ہے اس لیے اس میں قمار بازی (Speculation) کی بہت کم گنجائش ہے ۔ اس لئے ہم ان ماہرین اقتصادیات کی رائے سے اتفاق نہیں کرسکتے ہیں جن کا خیال ہے کہ'' ان غیر سودی تمسکات کے پس پشت بنیادی خیال یہ ہے کہ تمسکات کسی اصل اثاثے یا اسی کے کسی جز (Real Asset) کی نمائندگی کریں گے اور کاملاً کسی مالی دعوے (Financial claim) کی خرید وفروخت پر مبنی نہیں ہوں گے'' (ص ۵۱) کیونکہ یہ دوسرے درجہ کی مارکیٹ (Sub Prime Market) میں صرف کاغذوں کی خرید وفروخت کو اس طرح رائج کرنے کا چور دروازہ بند ہوسکتا ہے، جیسا کہ رہن عقاری کے بحران میں پوری دنیا اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔

اسلام کے ہر شعبہ کی طرح اس کے اقتصادی اور مالیاتی نظام کو بھی حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے، ورنہ ہم خود اپنے پیروں سے چل کر ان کھائیوں میں گر پڑیں گے جن میں سرمایہ دارانہ اور کمیونسٹ اقتصادی اور مالی نظام گر کر تباہ ہوئے ہیں اور انسانیت کو بھی تباہی کے دہانوں تک پہنچا چکے ہیں۔ ان میں ۵% یا ۱۰% سود لے کر ۹۰% یا ۹۵% قرض سے فیض یاب ہوا جاتا ہے اور ۵% یا ۱۰% احتیاطی تناسب کے بعد ۹۵% یا ۹۰% کے سہارے، بلکہ اعلیٰ قوت زر (High Power Money) کی فراہمی کرکے اور مضاعف تخلیق جمع (Multiple Deposit Creation) کا عمل (Process) رکھ کر تخلیقِ زر کی

جاتی ہے، جب کہ حقیقی پیداوار (Real Production) یا حقیقی آمدنیوں (Real Incomes) میں اس کے مقابلے میں اضافہ ہی نہیں ہوا ہے۔ اس کی بہترین مثال وہ کریڈیٹ کارڈس ہیں جن کو ایک ہی شخص کئی بینکوں سے حاصل کرلیتا ہے اور ان مصنوعی ذرائع سے مصنوعی طور پر میعار معیشت کو بلند کرنے کے جنون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

آخرت کی کامیابی پر مناسب اور متوازن زور دینے کے بعد اور اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کی عادت ڈالنے اور عام اسلامی اخلاقی اور دینی معیارات (Norms) پر چلنے کی وجہ سے یقیناً اسلامی معیشت اور اس کا مالی نظام ویسا کچھ ہرگز نہیں ہوگا جیسا کہ ان حضرات کا خیال ہے جو سارے مغربی ڈھانچوں اور ذرائع وآلات کے ساتھ ان کے مالی اور اقتصادی معیارات (Norms) اپنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ حضرات بلاوجہ مغرب کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کے بجائے اسلام کی بنیاد اور اس کی عقائدی، عبادتی اور اخلاقی فضا کو موجودہ غیر اسلامی ماحول میں محسوس کرکے غور وفکر اور اجتہادانہ انداز اختیار کریں، نہ کہ تقلیدی Imitation کو اپنا سرمایہ سمجھیں۔

کھلے بازار کی سرگرمیوں کے بارے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بازار کے ذریعہ ملکی سکّوں کی قیمت، غیرملکی سکّوں کے مقابلے میں کم یا زیادہ کی جاتی ہے۔ اسلامی مرکزی بینک حسب ضرورت اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ اس کی حیثیت صرف ایک آلے جیسی ہے، یہ کوئی اصول/ قانون نہیں ہے۔

☆ شرح سود: اس پر وہی کچھ کہا جاسکتا ہے جو ڈاکٹر اوصاف صاحب نے کہا ہے۔ البتہ 'سودمند' کے بجائے صحیح تر تعبیر ''اسلامی اقتصاد سے شرح سود کو کلیتہً خارج کردیا جائے گا'' تاکہ 'سودمند' کے سود سے بھی کلیتہً نجات حاصل کی جاسکے۔

☆ قرض کی راشنگ (Credit Rationing): اس کے قابل عمل ہونے کے امکان سے انکار ممکن نہیں ہے۔ حالات ہی اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ بظاہر ضرورتاً اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث

اسلامی بینکی نظام بحیثیت مجموعی اسلامی اقتصادی نظام کا جز ہوگا، جو کلیتاً سود سے پاک ہوگا، البتہ زرکاری (Investment) کے اغراض کے لیے کمپنیوں، بینکوں اور خود حکومت کو حصص جاری کرنے، خریدنے اور فروخت کرنے کے مواقع میسر ہوں گے، مگر ان سب سرگرمیوں کو ان کاغذی گھوڑوں سے نجات دلانی ہوگی جن کی بہترین مثال رہن عقاری کے دوسری درجہ کے مارکیٹ کے کاغذی دستاویزات اور پٹرول اور گیس کے 'کاغذی گھوڑے' ہیں جو حقائق ......اقتصادی اور مالی حقائق ...... کے سمندر میں صرف ڈوب کر مرتے ہیں اور جو اسٹاک مارکٹس کو بالکل نئی بنیادوں پر منظّم کرنے اور ان کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں چلانے ہی سے ممکن ہے۔ یہ کام صرف اور صرف اقتصادی اور مالی امور میں اسلامی مجتہدین ہی کر سکتے ہیں، جن کی نظر اسلامی نظام پر بہ حیثیتِ مجموعی کلی (Macro)، گہری اور دوررس ہو اور جو باہر کی دنیا سے تعلق اور ان کے اقتصادی اور مالی امور پر اثرات پر گہری نظر رکھتے ہوں۔

یہ سب کام، حتیٰ کہ اسلامی نظام کا قیام اور اس کو کامیاب انداز میں، ہر میدان میں، اندرونی اور بیرونی دشواریوں، فنی مخالفتوں اور سازشوں کے علی الرغم چلانا، مجتہدین مطلق کی ایک بڑی تعداد کا مطالبہ کرتی ہے جن کو جمع کرنا، تربیت دینا اور ہر ایک کو اس کے مناسب کام پر لگانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ یہ اپیل صدا بہ صحرا نہیں ثابت ہوگی۔

اہم اعلان

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کچھ عرصہ سے اپنی ذاتی عمارت میں منتقل ہوگیا ہے۔ بہ راہ کرم اب درج ذیل پتے پر خط وکتابت کی جائے:

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر (جمال پور) پوسٹ بکس نمبر:۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

رسائل کے مدیران سے بھی گزارش ہے کہ وہ درج بالا پتے پر اپنے رسائل بھجوائیں۔